

مفتی صدر الدین آزاد

صدر الصدور دہلی

گداز جسم، سالزلارنگ، چھوٹی چھوٹی آنکھیں ذرا اندر کودھنسی ہوئی۔ بھری ہوئی ڈاڑھی بہت سیدھی سادھی وضع کے آدمی ہیں۔ ظاہری نمائش سے کوئی سروکار نہیں۔ بدن میں سفید ایک بر کا پانجامہ، سفید کرتہ اور سفید ہی عمامہ۔۔۔۔۔ یہ ہیں مفتی صدر الدین آزاد، جو اصلاً کشمیری ہیں۔ ان کے والد لطف اللہ غالباً تجارت کی غرض سے دہلی آئے اور یہیں سکونت پذیر ہو گئے ۱۲۰۴ھ (۱۷۸۹ء) میں صدر الدین پیدا ہوئے کسی نے تاریخ پیدائش لفظ "چراغ" سے نکالی ہے۔ درحقیقت مفتی صاحب کی ذات ایک "چراغ" ہی تھی جس سے سینکڑوں چراغ روشن ہوئے۔ دیوبند اور علی گڑھ دونوں کے بزرگوں نے اس "چراغ" سے اکتساب فیض کیا تھا۔

تعلیم | مروجہ منقولات کی تعلیم خانوادہ ولی اللہی کے عظیم فرزندوں۔ شاہ عبدالعزیز، شاہ عبدالقادر اور شاہ محمد اسحاق سے حاصل کی۔ اور معقولات کی تحصیل مولوی فضل امام خیر آبادی سے کی۔ زمانے کی روش کے مطابق خوشنویسی میں کمال حاصل کیا۔ اس فن میں بہادر شاہ ظفر سے تلبذ کا شرف حاصل تھا۔

ملازمت | انگریزی حکومت کی طرف سے دہلی کے صدر الصدور مقرر ہوئے۔ سر سید احمد خان لکھتے ہیں :

"انگریزوں کو اس بات کی بڑی خواہش تھی کہ مسلمانوں کے خاندانی اور ذی وجاہت اشخاص افتاء و صدارت کے مناصب قبول کر لیں تاکہ شمالی ہند میں

انگریزی حکومت عوام میں مقبول ہو سکے ہندوستانیوں کے لئے بڑے سے بڑا عہدہ صدر الصدور و عدالت کا تھا۔ اس لئے اکابر و افاضل کو یہی پیش کیا جاسکتا تھا۔ دہلی چونکہ قدیم دار الحکومت اور اسلامی تہذیب کا مرکز تھی۔ اس لئے یہاں کی صدارت کے لئے خصوصیت سے اہتمام کیا جاتا تھا۔ کلکتہ سے صاحب کلاں (ریزیڈنٹ) کو لکھا گیا کہ امراء شہر اور بادشاہ سے مشورہ کر کے کسی ایسے شخص کو صدر الصدور مقرر کریں جس کی وجاہت اور علم و فضل مسلمانوں میں مسلم ہو۔ ریزیڈنٹ نے بادشاہ اور امراء شہر سے مشورہ کیا۔ سب کی رائے ہوئی کہ مولوی صدر الدین منظور کریں تو ان سے بہتر کوئی شخص نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ بادشاہ اور امراء ثقات کے متفقہ اصرار سے انہوں نے یہ عہدہ قبول کر لیا۔

دورانِ ملازمت میں فرائض منصبی کما حقہ پورے کئے۔ بڑے بڑے ارکان سلطنت کو ان پر اعتماد تھا۔ جب جنرل آکٹر لونی راجپوتانہ کا ریزیڈنٹ مقرر ہوا تو اس کے ہمراہ چار سو روپے ماہانہ مشاہرے پر رہے۔ آکٹر لونی کو ان پر بہت زیادہ اعتماد تھا۔

۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی | مولوی احمد اللہ شاہ مداسی جہاد کی روح سے سرشار گوالیار سے

دہلی گئے۔ دہلی اس دور میں علماء و فضلاء اور صوفیاء کا مرکز تھی، ایک ایک صاحب اثر سے مل کر حالات کی نزاکت واضح کی، لیکن کسی کے سینے میں وہ آگ روشن نہ پائی جس سے خود سراپا سوز بھٹے۔ دہلی بھر میں مفتی صدر الدین ہی بھٹے جنہوں نے جہاد پر آمادگی کا اظہار کیا اور مولوی احمد اللہ شاہ کو مشورہ دیا کہ دہلی کی بجائے آگرہ کو تنظیمی مرکز بنایا جائے۔ مفتی موصوف نے مفتی انعام اللہ دکیل کے نام ایک تعارفی خط دیا جو آگرہ میں مقیم تھے، اسی تعارفی خط کی بدولت مولوی احمد اللہ شاہ کی آگرہ میں بڑی خاطر مدارات ہوئی اور جنگ آزادی کی ٹرپ پیدا کرنے میں کامیاب ہوئے۔

غدر کے ابتدائی ایام میں عدالت کا کام چھوڑ چھاڑ کر گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی۔ لیکن تاجکے سنگام آزادی زوروں پر تھا۔ بخت خان بریلی سے دہلی آیا اور علماء نے ایک فتویٰ جہاد مرتب کیا۔ جس پر مفتی صاحب نے بھی دستخط کئے۔ یہی وہ دستخط تھے جن کی بنا پر مرکز عتاب بنے۔ عتاب | دستخط کرنے کی پاداش میں منصب سے محروم کر دیئے گئے۔ جائداد ضبط کر لی گئی۔ تین لاکھ روپے کی مالیت کا کتب خانہ بھی ضبط ہو گیا جس کے حصول لاہور میں لارڈ لارنس سے بھی ملے لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا۔ مقدمہ چلنے لگا۔ آخر میں کامیاب ہوئے۔ مولانا ابوالکلام آزاد

رمطراز میں :

مفتی صاحب نے بھی اس فتویٰ (جہاد) پر دستخط کئے تھے۔ دستخط کے نیچے
 ”کتبت الخیر“ لکھ دیا تھا۔ عربی میں عبارت کے خاتمے پر اس قسم کے اختتامی
 الفاظ لکھنے کا رواج ہے، لیکن انہوں نے ”بالخیر کی“ سی ”کے“ نقطے نہیں دے
 تھے۔ غدر کے بعد ان کی رو بکاری ہوئی اور فتویٰ پیش کیا گیا۔ تو انہوں نے کہا: ہاں!
 ٹھیک ہے میں نے دستخط کئے تھے، لیکن میں مجبور تھا، اور مجھ سے بہر و تشدد
 دستخط لئے گئے تھے۔ میں نے صاف لکھ دیا تھا۔ ”کتبت بالخیر“

مولانا آزاد کی رائے ہے کہ یہ محض کوئی لطیفہ نہ تھا، بلکہ مفتی صاحب نے بالقصد یوں ہی کیا تھا۔ چنانچہ
 باعزت برمی ہو گئے۔ بعد ازاں فنانش کمشنر اور لیفٹیننٹ گورنر نے نصف جائداد واکذاشت
 کر دی۔ منقولہ جائداد جو نیلام ہو چکی تھی نہ مل سکی۔

ملازمت سے بعد کی زندگی | ملازمت سے علیحدگی کے بعد جو نصف جائداد واکذاشت
 ہوئی تھی۔ اس کے کرائے پر معاش تھا۔ کرایہ صرف تیس چالیس روپے ماہانہ تھا۔ لیکن نیک دلی
 اور اقربانوازی کا یہ عالم تھا کہ اپنے بعض متعلقین کی اولاد کی کفالت بھی کرتے تھے۔ مرزا غالب
 حکیم سید احمد حسن مودودی کو لکھتے ہیں :

اگرچہ یہ امداد (کرایہ) ان کے گزارے کو کافی ہے۔ کس واسطے کہ ایک آپ
 اور ایک بی بی۔ تیس، چالیس مہینے کی آمدن۔ لیکن چونکہ امام بخش کی اولاد ان کی
 عزت ہے اور وہ دس بارہ آدمی ہیں، لہذا فارغ البالی سے نہیں گزرتی۔
 صنعت پیری نے بہت گھیر لیا ہے۔ عشرہ ثامنہ کے آخر میں ہیں۔ خدا
 سلامت رکھے بہت غنیمت ہیں۔“

وفات | عمر کے آخری بارہ سال عسرت و افلاس میں بسر کئے لیکن راضی بہ رضا کئے الہی
 رہے۔ دو سال فالج کے مرض میں مبتلا رہ کر اکیاسی سال کی عمر میں بروز پنجشنبہ ۲۴ ربیع الاول ۱۳۸۵ھ
 (۱۵ جولائی ۱۸۶۸ء) وفات پائی۔ اور ”چراغ دہلی“ کی درگاہ میں دفن ہوئے۔ مرزا غالب کے
 ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ۱۸۶۲ء کو حضرت مفتی صاحب پر فالج کا حملہ ہوا تھا۔
 شمس الشعراء مولوی ظہور علی نے تاریخ وفات کہی :

چہ مولانا نے صدر الدین کہ در عصر امام اعظم آخر زمان بود

بعدل و داد چوں نوشیرداں بود
کہ ایں عالم نہ بجائے جادواں بود
وداع او سورئے دارالجنان بود
پدر دارم ہمیشہ ہر باں بود
کنون گفتم "چراغِ دو جہاں بود"
۱۲۸۵ھ

زہے صدر الصدور نیک محضر
بروز پنجشنبہ کرو رحلت
ربیع الاول و بست و چہارم
ظہر افسوس آں دستاوی فی قدر
چراغش ہست تاریخ ولادت
۱۲۰۷ھ

لالہ سری رام مولف خم خانہ مجاہد نے تاریخ وفات کا مادہ "چراغِ اہم" لکھا ہے۔
۱۲۸۵ھ

خدماتِ دینیہ | دورانِ ملازمت میں جامع مسجد دہلی کے مدرسہ "دارالبقاء" کا از سر نو اجرا کیا۔ یہ مدرسہ عہدِ شاہجہانی کی یادگار تھا۔ لیکن مرور زمانہ کے ساتھ ساتھ اپنی رونق کھو بیٹھا۔ مفتی صاحب کی علم دوستی کام آئی۔ انہوں نے طلباء کے طعام اور لباس کا انتظام اپنے ذمہ لیا اور دین کے سوتے کو از سر نو جاری کر دیا۔ یہاں بیسیوں علماء نے ان سے استفادہ کیا۔

تالیفات | کثرتِ درس کی وجہ سے تالیف کی طرف بہت کم توجہ رہی۔ پھر بھی مندرجہ ذیل کتب تالیف کیں۔ ان میں سے بھی بیشتر تحریریں ہنگامہ آزادی کی نذر ہو گئیں۔

۱۔ رسالہ منتہی المقال فی شرح لاشد الرحال

۲۔ در المنفرد فی مرآت المفقود

۳۔ مجموعہ فتاویٰ (مختلف فتاویٰ کے جوابات)

۴۔ تذکرہ شعرائے اردو۔ مصطفیٰ خان شیفہ نے ان کے تذکرے کا ذکر کیا ہے۔ جو

ناپید ہے۔

۵۔ شرح متنبی (ناپید ہے) مولانا آزاد اپنے والد مولوی خیر الدین سے نقل کرتے ہیں کہ "ادب عربی کا ذوق ان سے بڑھ کر میں نے کسی فاضل میں نہیں پایا۔ حماسہ کے سینکڑوں اشعار نوکِ زبان تھے۔ متنبی کا درس سب سے پہلے انہوں نے ہی دینا شروع کیا۔ ورنہ اس کا کلام درس کی چیزوں میں داخل نہ تھا۔ انہوں نے متنبی کی ایک شرح بھی لکھی ہے۔"

اولاد | مفتی صاحب کی صلیبی اولاد نہیں تھی اپنی بیوی کے حقیقی بھانجے مولوی عنایت الرحمن کو متنبی کر لیا تھا۔

تلامذہ | مفتی صدر الدین آزرده سے بشمار علماء نے استفادہ کیا۔ ان کا احاطہ مقصود نہیں ہے۔ صرف نامور شاگردوں کے نام لکھنے پر اکتفا کرتا ہوں۔

- ۱۔ مولانا رشید احمد گنگوہی (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۳۱)
- ۲۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی (سوانح محمد حسن نانوتوی ص ۳۱)
- ۳۔ مولانا محمد منیر نانوتوی (" " " " ص ۱۵۷)
- ۴۔ نواب صدیق حسن خان تنوچی (غالب ص ۲۸۶)
- ۵۔ مولوی خیر الدین (والد مولانا آزاد) (" " " " ص ۲۸۲)
- ۶۔ نواب یوسف علی خان والٹہ رامپور (تاریخ ادب اردو - ص ۹۰۵)
- ۷۔ سر سید احمد خان (" " " " " " ص ۹۰۵)
- ۸۔ مولوی ذوالفقار علی (گل رعنا - ص ۳۳۲)
- ۹۔ مولوی فیض الحسن (" " " " " " ص ۳۳۲)
- ۱۰۔ مولوی سمیع اللہ سی۔ جی۔ ایم (" " " " " " ص ۳۳۲)
- ۱۱۔ مفتی سعد اللہ مراد آبادی (تذکرہ علمائے ہند ص ۲۱۴)
- ۱۲۔ محمد جمیل بریل پوری (" " " " " " ص ۴۲۳)
- ۱۳۔ مولوی امیر حسن سہسوانی (" " " " " " ص ۵۶۳)
- ۱۴۔ مولوی کریم الدین پانی پتی مولف تذکرہ شعرائے ہند (تذکرہ شعرائے ہند ص ۱۶۳)
- ۱۵۔ مولانا محمد ظہیر نانوتوی (تذکرہ مشائخ دیوبند ص ۱۶۳)
- ۱۶۔ شیخ ضیاء الدین ایل۔ ایل۔ ڈی (محمد حسن نانوتوی - ص ۱۸۴)
- ۱۷۔ مولوی ظہور علی (شمس الشعراء) (تذکرہ علمائے ہند در بیان آزرده)

♦ ♦ ♦

ذوق سخن | مفتی صاحب اعلیٰ درجے کے شاعر بھی تھے۔ عربی، فارسی اور اردو تینوں زبانوں میں مشق سخن کرتے تھے۔ اردو میں ادائل میں شاہ نصیر سے اصلاح لیتے تھے کچھ عرصے بعد میاں مجرم اکبر آبادی اور آخر میں میر منین سے مشورہ لیتے تھے۔ اردو میں ان کا کلام نہایت صاف و سلیس اور پُر اثر ہے۔ مگر کبھی دیوان کی صورت میں شائع نہیں ہوا۔ کچھ تو اس میں سے ہنگامہ آزادی میں ضائع ہو گیا۔ اور باقی تذکروں میں منسٹر پڑا

ہے۔ تبرکاً دو چار اشعار درج کئے جاتے ہیں :

دامن اس کا تو بہت دور ہے اُسے دستِ جنوں
کیوں بسے بیکار گریباں تو مرا دور نہیں

ۛ

کامل اس فرقہ زہاد سے اٹھانہ کوئی
کچھ ہوئے تو یہی رندانِ قذاح، خوار، ہوئے

ۛ

آزرودہ مر کے کوچہ جاناں میں رہ گیا
دی تھی دعا کسی نے کہ جنت میں گھر لے

ۛ

میں اور ذوقِ بادہ کشی لے گئیں مجھے
یہ کم نگایاں تیری بزمِ شراب میں

ۛ

اچھا ہوا نکل گئی آہِ حسیں کے ساتھ
اک قبر تھی، بلا تھی، قیامت تھی، ہاں نہیں

سر سید احمد خاں نے "آثار الصنادید" میں تینوں زبانوں میں نمونہ کلام درج کیا ہے۔

پسماندگی اور افلاس کا اس جہلک اثر کے ساتھ کوئی مقابلہ ہی نہیں ہو سکتا جو مغربی طرزِ تعلیم کی اندھی تقلید کے ماتحتوں دنیا سے اسلام کے مذہبی مکات پر پڑے گا۔ اگر ہم اسلام کی صداقت کو ایک شعافی عامل کی حیثیت سے محفوظ و مصون رکھنا چاہتے ہیں، تو ہمیں مغرب کے فہمی ماحول سے ہر وقت اور ہر آن چکنا چہنا ہوگا جو ہمارے معاشرہ اور ہمارے رجحانات پر غالب و مستولی ہونے والا ہے۔ مغربی زندگی کے طور طریق اور وضع قطع کی تقلید کر کے مسلمان مغربی نظریہ حیات کو اختیار کرنے پر آہستہ آہستہ مجبور ہوتے چلے جا رہے ہیں کیونکہ کسی چیز کی ظاہری تقلید کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ہم رفتہ رفتہ اس چیز کے بارے میں دنیا کی رائے کو من و عن قبول کرتے چلے جاتے ہیں۔